Established 1932

Vol. 18. No. 10

Price annas four

Dated April 7. '49

THE VAKIL

WEEKLY MAGZINE

SRINAGAR KASHMIR (India)

رسالہ وکیل

اس ہفتہ کے لکھنے والے

حصہ نظم

پروفیسر محمد امین کامل
جناب نشتر کاشمیری
یاتری کاشمیری
ماسٹر غلام رسول حکیم سوپوری

فسانے

جناب پردیسی کاشمیری
" دیہاتی
حضرت کیف مالیگانوی
مرزا محمد یوسف چشتی
جناب غلام محمد پرے منظور

مضامین

حضرت شہ زور مدظلہ العالی
حضرت کیف بھوپالی
حضرت قمر ساحری
" وفا فرخ آبادی
" سریندر ریشم زار
جناب خمار کاشمیری

حصہ اطفال

شریمتی پدماوتی
محترمہ حمیدہ بانو
جناب آفاق احمد

حصہ نسواں

بنسی لال ریشم
یوگی راج نذر
دیوی پرشاد زتشی

اسکے علاوہ مستقل عنوانات 'رنگ ترنگ' رفتار زمانہ اور فلمی دنیا کے تحت دلچسپ مضامین ملاحظہ فرمائیں

ایک نظر میں!

نظمیں

حضرتِ شہ زور کا کلام

کوئی بھی علم و ادب کا دیوانہ اس امر سے ناواقف نہیں ہوگا کہ مادرِ کشمیر کے مایۂ ناز فرزند حضرتِ شہ زور آسمانِ شاعری پر مہر نیمروز کی طرح چمک رہے ہیں، ان کا کلام بجائے خود ہمارے اس دعوے کی تائید کر رہا ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان کے کلام کی تعریف میں صرف چند الفاظ ہی تحریر کریں تو غالباً یہ ان کی توہین ہوگی جس کو کہ ہم کسی بھی صورت میں گوارا نہیں کر سکتے۔

کیف بھوپالی کا کلام

حضرت کیف بھوپالی کا کلام "جنونِ شوق" واقعی جنونِ شوق کی عکاسی کر رہا ہے۔ ایک جگہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

طوفانِ محبت ہے میری مشقِ محبت
اور اصل محبت تو ابھی کی ہی نہیں ہے

حضرتِ قمر ساحری کا کلام

حضرتِ قمر ساحری ہندوستان کے مشہور ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان کی ایک نظم بھی اس اشاعت میں شامل کی گئی ہے۔

حضرتِ زار کا کلام

حضرت سریدر رینہ زار کا کشمیری کلام "نوبہار وک پیغام" کشمیری ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ اس کا مطالعہ کر کے ناظرین شاعر کی فن کاری کی داد دئیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حضرتِ وفا فرخ آبادی

حضرتِ وفا فرخ آبادی کی دلنشین نظم "نغمہ" یقیناً تارِ رگِ جان کو چھیڑنے والی نظم ہے۔ ناظرین اس کا مطالعہ کر کے کیف روحانی حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فسانے

جناب پردیسی کا فیچر

کون نہیں جانتا کہ کشمیر ایک وقت علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ علم و ادب میں اس کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی، لیکن غلامی کے ۳۲۱ سالہ طویل دور نے اس رفتار کو بہت حد تک مدھم کر دیا، لیکن با ایں ہمہ تاریخ کشمیر کے اس تاریک دور میں بھی ایسے سپوت پیدا ہوئے جو کہ مطلعِ علم و ادب پر آفتاب کی طرح چمکے۔ آج کشمیری خود اپنی قسمت کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ اور ایسا نظر آ رہا ہے۔ کہ علم و ادب میں کشمیر کی گزشتہ شان دوبارہ بحال ہو جائے گی۔

یہ ہے جناب پردیسی کے اس فیچر کا مرکزی خیال جس کو کہ فاضل فن کار نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ پردیسی صاحب نے اردو ادب میں جو قدر و منزلت حاصل کی ہے۔ اس سے کون واقف نہیں ہے۔ لہٰذا ہم ناظرین سے ان کی ہستی کو متعارف کرانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں۔

دیہاتی صاحب کا فسانہ

جناب دیہاتی کاشمیری فسانہ نگاری میں کسی چوٹی کے فسانہ نگار سے کم نہیں ہیں۔ آپ کا فسانہ "شادی مرگ" بھی ہمارے ان اوراق کی زینت بنا ہوا ہے۔

مضامین

پروفیسر کامل کا مضمون

پروفیسر محمد امین کامل کا مضمون "تعصبات کا خاتمہ" بھی اس شمارہ میں شامل کیا گیا ہے چونکہ ان کا مضمون بہت ہی طویل تھا، لہٰذا ہم نے اس کو دو قسطوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آج کی بار پہلی قسط ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

جناب نشتر کا طنزیہ مضمون

جناب جگن ناتھ خیبری نشتر کاشمیری کا مضمون "اتنے ڈھیلے پن پر" پڑھنے کی چیز ہے، اس میں فاضل مضمون نگار نے آجکل کے زمانے پر۔ ایسے چبھتے ہوئے اور پُر معنی طنز کئے ہیں جو کہ اپنی نظیر آپ ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سارے دلچسپ مضامین، فسانے، اور نظمیں ناظرین کی ضیافتِ طبع کیلئے پیش کی گئی ہیں جن کا تذکرہ طوالت کے خوف سے ہم یہاں نہیں کر سکتے ہیں۔

(ادارہ)

ہی ہمیں مادری زبان بھول جاتی ہے تو محض اس غمناک واقعہ کی خاطر ہی ہم ڈھیلے کیوں پڑنے لگیں؟

(۲)

ایک بڑی وجہ ......؟ اپنے "بڑے دفتر" جسے میں اپنی عام فہم زبان میں "مدرسہ" کہا کرتا ہوں، جہاں میں "چوزوں" کو گیان دھیان سے فیض یاب کیا کرتا ہوں۔ کئی بے جوڑ، اور بے تکی کرسیوں نے میرا قافیہ تنگ کر رکھا ہے۔ میرے کئی رہے سہے پتلون ماضی کی افسوسناک داستان بنا دیے۔ بسا اوقات ایک آدھ نوکیلے کیل نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ "چوزے" بھی اُستاد جی کے بیچ بچاؤ کو دوڑ پڑے۔ اسی بیچ بچاؤ میں ہم نے دیکھا کہ "آسن" وغیرہ سب کرسی کے بھینٹ اور ہم ایک عجوبہ بنے ہوئے ہیں۔ اتنی دُرگت ہونے پر بھی کئی صاحب "مجھے "شاندار زمانے" کا "شاندار آدمی" کہتے ہیں۔ مہینے کی پہلی کو جب میں کلرک صاحب کے کمرے میں بوساطتِ جائز داخل ہو کر تنخواہ لینے جاتا ہوں تو دل کی کائنات میں ہزار ہا ارمان پامال صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ کلرک صاحب کا مجھ سے یوں خطاب ہوتا ہے — "خیبری صاحب! آپ ہی پہلے تنخواہ لیجئے آپکا وقت گنوانا فضول ہے"۔ اشارۃً پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میری تنخواہ سکریٹری صاحب سے دس گُنا کم ہے۔ اس لئے ایک سانس میں ایک، دو، تین .... اور کہہ کر، چٹکی بجانے کی دیر میں "شاندار زمانے" کی ہماری "عظیم الشان تنخواہ" ختم ہوتی ہے اور کلرک صاحب ہماری تنخواہ کے جُملہ حقوق ہمارے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ لے کر ہم بھی سوچنے لگتے ہیں — "ہم بھی کیا ادیب ہیں؟" — "یہ کائنات کتنی بڑی ہے؟" — "کتنی دولت سے یہ اٹی پڑی ہے؟" — ہزار ہا کی تنخوا ہیں پانے والے کس آب و گل سے بنے ہیں؟" — "کیا یہ جنگل کا قانون ہے یا قسمت؟" — ان داتا! ...... کیا اب بھی میں تمہیں "ان داتا" کہوں؟..

صد ارمان دل میں دبائے جب گھر پہنچتا ہوں، تو بے چینی میرا استقبال کرنے آتی ہے "بنیلی"، قصائی، نانبائی، غلہ فروش، کنجڑا، نائی، دھوبی اور کتنے ہی ...... باری باری کر کے ان کا فلم میری آنکھوں کی پتلیوں میں سامنے سے گزرتا ہے۔

چھ سیر تیل کے پورے چودہ روپے — نانبائی، قصائی اور غلہ فروش وغیرہ کے بیس روپے، چاول، کھانڈ، نمک اور ڈاکٹر کے ملا کر پندرہ روپے اور کیا کہوں؟ کتنے دوپے
روپے" — ایک سرد آہ بھر کر — اور میری تنخواہ؟ ......
ایک .... دو .... تین اور ...... نوٹ

مذہب نے مجھے بتایا ہے — "روز صبح سویرے" ان داتا کا شکریہ بجا لاؤ"۔ شکریہ بجا لانے کی بات تو الگ رہی — میں صاف کہوں کہ بطورِ پروٹسٹ شکریہ بجا لانا ہی نہیں چاہتا۔ میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ کوئی "ان داتا" ہو بھی سکتا ہے اگر ہو بھی تو وہ مطلق نااہل ثابت ہو کر رہ گیا ہے جسے اپنی پرجا میں چیزوں کی جائز اور برابر بانٹ چونٹ کرنے کی مطلق اہلیت نہیں ہے۔ اسی طرح میرے جیسے ان گنت لوگ ہیں، جو تُبھو کے جنٹلمین کا لیبل لگا کر ہونگے اور ان کی اصلیت کو نہ سمجھنے والے کہتے ہونگے — "بابو جی! ہم پہ دیا کرو" اور تاڑنے والے کہتے ہونگے — "دھلی کے بانکے، منہ چکنا، پیٹ خالی"، — اور جان بوجھ کر حقائق کو پیتے والے کہتے ہونگے، — "بے وقوف! بھوک کیا ہوتی ہے؟ اگر تمہارے ہاں روٹی نہیں تو کیک، بسکٹ کیوں نہیں کھاتے"؟

(۳)

ہم بھی مزدور راج چاہتے ہیں۔ سوشلزم کے حامی ہیں، صبح و شام، اشتراکی، "اشتراکی" نعرے بھرتے ہیں لیکن اپنے ہمسایہ مزدور کی طرف میں دیکھتا ہوں کہ اب تو ساری دُنیا "مزدور" "مزدور" چلاتی ہے لیکن مجھ "دماغی مزدور" کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ میں اپنے ہمسایہ مزدور سے نہ صرف "بدتر" ہی ہوں بلکہ "تفضیلِ کُل" یعنی بدترین غریب"۔

وہ "مانگ نکالنے" والا بابو نہیں۔ وہ دن میں چار روپے کما لیتا ہے اور میں؟ ..... ایک .... دو .... تین ... نوٹ۔

جب یہ باتیں میرے من مندر میں آ جاتی ہیں۔ کھلبلیوں کا عمیق سمندر میرے دل کے رہے سہے سکون کی دھجیاں بکھیر کر رہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا ڈھیلا پڑنا حق بجانب ہے۔

"کیا یہ میری رام کہانی ہے؟ یا یہ کہ میں آپکی بھی ترجمانی کر رہا ہوں؟ آپ شرماتے ہیں، شرمیلے ہیں۔ کوئی آپ سے پوچھے ...... "ڈھیلے کیوں پڑے ہو"؟ آپ جواباً کہتے ہیں ..... "کچھ نہیں جی! بس یوں ہی"! ..... اور اگر کوئی راہ چلتا اب مجھے کہتا ہے .... خیبری! "ڈھیلے کیوں پڑے ہو"؟ تو میں جواباً کہتا ہوں — "خود غرض دُنیا کے کارن"۔ — اس "خود غرضی" کے ہاتھوں ستائے نالاں ہیں اور گنگناتے ہیں —

ہمیں بے طلب زندگی دینے والے
یہ احسان تمہارا نہیں، دشمنی ہے +

مشرق بعید میں سامراجیت کا پس منظر

مشرق بعید میں ولندیزیوں کی جارحانہ کاروائی دراصل مغربی سامراجیوں کے ضمیر کی آئینہ دار ہے۔ اور انڈونیشیا کی فتح کے ساتھ مغربی طاقتیں اپنی اپنی نوآبادیوں کے سلسلہ میں ایک استبدادی پروگرام مرتب کرنے کی منتظر ہیں۔ ان کاروائیوں کا فوری اثر ہند چینی۔ لنکا۔ برما۔ فلپائن اور دوسرے نوآزاد ممالک پر پڑے گا۔ کیونکہ ولندیزیوں کی کاروائی کامیابی کی صورت میں دوسری طاقتوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیگی۔ ظاہر ہے کہ ان نوآبادیات کو دوبارہ غلام بنانے میں مغربی طاقتوں کا مقصد بڑھتے ہوئے کمیونسٹ اقتدار کے خلاف ایک مسلسل اور مضبوط مورچہ بندی کرنا ہے۔ اور میثاق اوقیانوس — ATLANTIC PACT کے پروگرام کو عملی جامہ پہناتا ہے جو سرمایہ پرست امریکہ کی نگرانی میں سرعت سے پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ مغربی طاقتیں بخوبی سمجھتی ہیں کہ اگر یہ نوآبادیات آزاد چھوڑ دی جائیں تو کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کرنے کی بجائے یہ روسی حلقہ اقتدار میں مدغم ہو جائینگی۔ اسی لئے مغربی طاقتیں اپنی نگرانی میں امریکہ کے سرمایہ سے ان ممالک کو ایک فصیل کی صورت میں کھڑا کرنا چاہتی ہیں۔ اور انڈونیشیا اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ کیونکہ جنوب مشرقی بحرالکاہل پر کڑی نگرانی رکھنے کے لئے یہ اہم مقام ہے اس کے علاوہ اس کے قدرتی ذرائع نہایت وسیع اور اہم ہیں۔

چین میں کمیونسٹوں کی فاتحانہ پیش قدمی۔ ہند چینی میں فرانسیسیوں کی دوبارہ فوج کشی کے برخلاف قوم پرستوں کی کامیاب مدافعت۔ اور ملایا میں دہشت پسندوں کی سرکشی سے سامراجیوں کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ اور وہ کسی بھی قیمت پر انڈونیشیا اور دیگر نوآبادیات کو اسی رو میں بہتے نہیں دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنے مفاد کے منافی کاروائیوں کو برداشت کرسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک

ماسٹر غلام رسول حکیم سوپوری

ولندیزی حملے کا تعلق ہے برطانیہ اور امریکہ اس کے مقاصد سے صرف متفق ہی نہیں بلکہ عملی امداد بھی دے رہا ہے۔

دوسری جنگ عالمگیر کے دوران میں ہالینڈ پر جرمنی کا تسلط تھا۔ اور اختتام جنگ پر ہالینڈ کا معاشی نظام بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ نوآبادیاں تو درکنار۔ اس کی گھریلو حکومت دوبارہ چالو ہونی مشکل تھی۔ زندگی کے ہر شعبے میں تعطل پیدا ہو چکا تھا۔ لازمی طور پر انھیں دوسروں کا دست نگر ہونا پڑا۔ اُدھر مشرق بعید میں انڈونیشیا جاپان کا محکوم بن چکا تھا۔ اور محوریوں کی شکست کے وقت انڈونیشیا میں مسلح قومی تحریک اس قدر زوروں پر تھی کہ دوبارہ آنے پر ولندیزی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے بالکل نااہل تھے چار و ناچار انھیں برطانیہ اور امریکہ کی طرف رجوع ہونا پڑا اور یہ دونوں طاقتیں ذاتی مفاد کے پیش نظر پہلے سے ہی مدد دینے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔

۱۹۴۵ء میں جاپانیوں کے ہتھیار ڈالنے کے فوراً ہی بعد برطانیہ نے اپنی فوجیں انڈونیشیا میں اتار دیں۔ بہانہ معقول تھا یعنی انڈونیشیا میں مقیم جاپانی فوجوں کو غیر مسلح کرنا۔ اور اس طرح ولندیزیوں کو پورے طور تیار کرنے کے لئے وقت مہیا کیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برطانوی فوجوں نے لاقانونیت ختم کرنے کی آڑ میں قوم پرستوں کی فوجی طاقت کو کافی نقصان پہنچایا۔ پھر بھی وہ ولندیزیوں سے نپٹنے کے لئے کافی حوصلہ مند نظر آتے تھے۔ چار و ناچار برطانیہ فریقین کو عارضی صلح کروانے پر مجبور ہوگیا۔ اس طرح ولندیزیوں کو صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مزید تیاری کا موقع بہم پہنچایا گیا

آخر جب ہالینڈ کی معاشی حالت درست ہوئی۔ تو ولندیزیوں نے فوج کشی سے پہلے سیاسی چالبازی سے کام لیا۔ جو سامراجیوں کا سب سے زیادہ کامیاب حربہ ہے۔ یعنی انڈونیشیا کی سیاسی وحدت پر وار کئے۔ اور ملک کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرکے وہاں الگ الگ کٹھ پتلی حکومتیں قائم کروائیں۔ اس طرح قوم پرستوں کے اقتدار کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی

ہماری تحریکِ آزادی پر سرسری نظر

(جناب دینا ناتھ یاتری)

۱۹۳۱ء میں ہماری تحریکِ آزادی کا آغاز ہوا۔ صدیوں کے بعد کشمیری عوام کو اپنی غلامی کا احساس ہوا۔ اُنھوں نے شیرِ کشمیر کی رہنمائی میں اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا عہد کیا سرفروشانِ وطن کفن باندھے شمعِ آزادی پر پروانہ وار قربان ہونے کو نکلے اور گولیوں اور توپوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ کتنے ہی لوگ آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھے سینکڑوں قید خانوں میں بند ہوئے۔ ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ ہوا۔ اور عوامی تحریک بڑھتی گئی۔ شہیدوں نے اپنے خونِ دل سے اس آزادی کے ننھے پودے کو سینچا۔

تحریک کا دوسرا دور ۱۹۳۸ء میں شروع ہوا۔ سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کے اصول کو پسِ پشت ڈال کر مکمل ذمہ دار نظامِ حکومت کا مطالبہ ہوا۔ ریاست کے تمام فرقے ہندو مسلمان اور سکھ اپنے اس پیدائشی حق "مکمل ذمہ دار نظامِ حکومت" کو حاصل کرنے کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ اور قوم کی کشتی کو ساحلِ مراد تک لے جانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ حکومت وقت برابر تحریک کو زک پہنچاتی گئی۔ کئی مذہبی پرچارک اور نام نہاد وظیفہ خوار بن کر تحریک کی مخالفت کرتے گئے۔ مگر عوام قربانیاں دیتے گئے اور آگے بڑھتے گئے۔

جدوجہد جاری تھی اور ہمارے رہنما یہ سوچ رہے تھے کہ مکمل ذمہ دار نظامِ حکومت حاصل کرنے کے بعد ریاست میں کس قسم کا آئین رائج کیا جائے جس سے غریب عوام کی مشکلات دور ہوں۔ بیکاری اور بیماری کا خاتمہ ہو سکے۔ ناجائز طریقہ تقسیم بند ہو جائے محنت کش کو اپنی محنت کا معاوضہ ملے۔ کسان کو اپنی کمائی اپنے آپ خرچ کرنے کا حق حاصل ہو سکے۔ مزدور کارخانے کا مالک مانا جائے۔ غریب ملازم دو وقت کا کھانا حاصل کر سکے۔ سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ چالیس لاکھ باشندگانِ ریاست کی قومی پارلیمنٹ نیشنل کانفرنس نے ایک آئین مرتب کر کے پاس کیا۔ جس کا نام نیا کشمیر ہے۔

حکومت نے جب دیکھا کہ تشدد سے کچھ بن نہ پڑا بلکہ عوامی طاقت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ تو وہ اصلاحات کا ڈھونگ رچا کر تحریک کو کمزور کرنے کے منصوبے باندھنے لگی۔ چنانچہ حکومت میں عوام کو نمائندگی دی گئی۔ اور دو عوامی نمائندے وزارت میں لئے گئے۔ اس تجربہ سے جب عوام کو بجائے فائدہ کے نقصان ہی ہوا۔ تو انھوں نے اپنے نمائندے کو کرسیٔ وزارت ٹھکرا کر واپس آنے کو کہا۔

اِدھر عوامی نمائندے نے کرسیٔ وزارت کو عوامی مفاد کی خاطر ٹھکرایا اور اُدھر "کشمیر چھوڑ دو" کی انقلابی تحریک سے ہماری سیاسی جدوجہد کا نیا دور شروع ہوا۔ "اقتدار اور اختیار عوام کا حق ہے"۔ اس گونج نے ہماری سیاسیات میں ایک حشر بپا کیا۔ کانٹ شاہی تحریک کو پیچھے نہیں کانٹے سے لیس تھی۔ ازلی وفاداروں کی خدمات حاصل کی گئیں کارکنوں کو زر سے خریدنے کی کوشش ہوئی۔ جیل خانوں کے دروازے کھولے گئے۔ اور چُن چُن کر قومی رہنماؤں اور کارکنوں کو تباہ کیا گیا۔ گولیوں کا آزادانہ استعمال ہوا۔ ظلم و استبداد سے لوگوں کو کچلا گیا۔ مگر جس قدر تشدد سے کام لیا گیا۔ کارواں اُتنا ہی آگے بڑھتا گیا۔

"کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک کا اثر کشمیر تک ہی محدود نہ رہا۔ یہاں مہاراجہ کو اپنی گدی متزلزل دکھائی دی۔ وہاں باقی ہندوستان کے راجے مہاراجے اور نواب بھی پریشان ہوئے۔ اُنھیں بھی اپنا وجود خطرے میں نظر آیا۔ چنانچہ اُنھوں نے ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے مہاراجہ کی امداد کی۔ اِدھر تمام راجہ ہری سنگھ کی امداد پر کمربستہ ہوئے اور اُدھر ہندوستانی عوام میں بھی ہمیشہ پیدا ہوا۔ انھوں

نے کشمیری عوام کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کی سب سے بڑی تنظیم انڈین نیشنل کانگرس نے کشمیریوں کی تحریک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پنڈت جواہر لال جی نہرو اظہار ہمدردی کرنے کے لئے کشمیر آئے مگر کوہالہ میں روکے گئے۔ جے پرکاش نرائن آئے اور ہماری ہمت بڑھائی۔ آچاریہ کرپلانی آئے اور ہمارے دکھ درد میں شریک ہوئے۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ ——— ہندوستان کا لنگوٹ بند بابا۔ آزادی کا علمبردار۔ عدم تشدد کا بانی۔ انسانیت کا مجسمہ۔ دنیا کی عظیم ترین شخصیت ——— شہید اعظم مہاتما گاندھی ——— ہندوستان میں اہم امور کو چھوڑ کر کشمیر آئے۔ صرف ہماری حمایت اور امداد کے لئے۔ مگر اپنے آپ کو مسلمانوں کا واحد ہمدرد کہنے والا مسٹر جناح مرحوم ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلکہ اس تحریک سے ڈر گیا۔ سوچنے لگا کہ کشمیر میں ہندو مسلمان اور سکھ دوش بدوش شمع آزادی پر پروانہ وار نثار ہوتے ہیں۔ وہ مختلف مذاہب کے پیرو ہو کر بھی ایک ہیں۔ کشمیر میں میری دو قوموں کا نظریہ غلط ثابت ہو رہا ہے۔ پس اس نے ایک بیان دیا۔ کہ "کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غنڈہ گردی ہے۔ مہاراجہ کشمیر کو یہ غنڈہ گردی ختم کرنی چاہیئے"۔ وہ خود ہندوستان میں "ڈائریکٹ ایکشن" کی آڑ میں فرقہ پرستی کو انسانی خون کی ہوا دے رہا تھا ——— نواکھلی کے واقعات ——— بہار کے فسادات ——— سرحد کے سانحات ——— پنجاب کا خونی دنگل۔ اسی ڈائریکٹ ایکشن کا ایک پس منظر تھا۔ اور انسانیت ختم ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ (باقی آئندہ)

غزل

از جناب عبدالرحمان خمار کاشمیری

تلمیذ از حضرت شہ زور مدظلہ العالی

جلتے ہیں جو کسی کی محبت کے فیض سے
ان کا مذاقِ عشق و محبت نہ پوچھئے

برہم کُن جہاں تھی کوئی سرمگیں نگاہ
کیونکر ہوا شروع قیامت نہ پوچھئے

تیری نگاہِ ناز ہے صد تیر و نیشتر
میرے دلِ حزیں کی جراحت نہ پوچھئے

مسجودِ مہر و ماہ و نجم ہوں جو صورتیں
آتی ہے اُن پہ کیسے طبیعت نہ پوچھئے

ہوتا ہے اُن کی فکر سے تازہ مشامِ جاں
گیسوئے تابدار کی نکہت نہ پوچھئے

مقتل میں تیرے ہے صفِ اول میں یہ خمار
اس غمزدہ کا شوقِ شہادت نہ پوچھئے

افسانہ:-

اندھیرا

حفیظ مالیگانوی

اس وقت شفق ڈوب رہی تھی اور اندھیرا اپنا پرچم لہرا رہا تھا۔ ہر سمت ایک بھیانک سیاہی پر تول رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام تاریکیاں ساون کے بادلوں کی طرح اچانک پھٹ پڑینگی۔ اور پھر ہر طرف اجالا ہی اجالا حکومت کریگا اندھیرے کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی یہ سمجھ سکے گا کہ اندھیرا کسے کہتے ہیں۔ اندھیرا کیا ہوتا ہے تاریکی پہلے تھی یا نہ تھی۔ سیاہی کتنی ضروری چیز ہے۔ ہر شخص اس سے کس قدر مستفیض ہوتا ہے۔ اور وہ کتنی رنگینیوں کی جان ہے اندھیرا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔

دن کے بے کراں اجالوں کو نگلتا ہوا اپنے کالے کلوٹے تاج پر مسکرا رہا تھا۔ راہ چلتے فقیر نے ایک طویل آہ بھری اور اس چیختے چلاتے اندھیرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس پر ایک مردنی سی چھا گئی۔ وہ گھبرا کر اس چبوترے کے نکڑ پر بیٹھ گیا۔ جہاں ... سفید پوش خوش گپیوں میں مصروف ہو کر ایک دوسرے کی پگڑی اچھال رہے تھے۔ فقیر ایسی بے بسی اور بے چارگی کی نظر سے انھیں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ان کے عقب میں اندھیرے کو دیکھ کر ڈر گیا ہے۔ کپکپاہٹ اس کے اعضا سے مترشح تھی۔ اس کی آنکھیں دھنسی جا رہی تھیں اور وہ دونوں گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے راہگیروں کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ [illegible] میری زندگی اندھیرے کا شکار ہو رہی ہے۔ مجھے بچاؤ بھوک کا لامتناہی اندھیرا مجھے کھا رہا ہے۔ میری مدد کرو۔ اندھیرا میری رگ رگ میں خون بن چکا ہے۔ تمام اعضا اندھیرے کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ سانسیں بھی اندھیرے سے پوچھ کر باہر نکلتی ہیں۔ میرا ہر قدم اندھیرے غار کے منہ میں جا رہا ہے خدارا مجھے سہارا دو۔ میری رہنمائی کرو۔ اور مجھے اجالوں کا ایسا تیز نشتر چبھو دو کہ میری رگ رگ سے اندھیرا نکل جائے اور پیپ بھرے پھوڑے اور غلیظ اندھیرے کی تکلیفیں میری جان نہ لیں۔ ورنہ میں سسک سسک کر اندھیرے کی آغوش میں سما جاؤں گا۔ اور میرا کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کوئی نہ جان سکے گا۔

حالانکہ میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے یہ بتا دوں کہ اندھیرا کبھی تو ختم ہوگا۔ اس اندھیرے پر کبھی تو فتح حاصل ہوگی۔ یہ اندھیرا کبھی تو شکست کھائے گا اگرچہ ابھی ہر طرف وہی ناچ کر رہا ہے۔ ہر دل پہ اسی کا سکہ ہے۔ اسی کی مالا جپی جا رہی ہے وہی ہر شخص کا خدا ہے۔ سب اسی کی پوجا کر رہے ہیں اور اسی کی چوکھٹ پر اپنی جبینیں رگڑ رہے ہیں۔ کس قدر خلوص و محبت کے ساتھ گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اور روشنی طلب کر رہے ہیں۔ مگر اجالوں کا خدا اندھیری دنیا کو روشنی دینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسے روشنی کی بڑی ضرورت ہے۔ وہ روشنی کے انتظار میں اندھیرے میں تحلیل ہوئی جا رہی ہے۔ اور کچھ ہی دن میں اس کا ایک جزو بن کر اندھیرے میں جل جائے گی۔ لاکھوں افراد دم توڑ دیں گے اور رفتہ رفتہ ایک آدمی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جو روشنی کی طلب میں زندہ رہ کر ایک ایسے جہان نو کی تخلیق کرے۔ جس میں ہر لحاظ سے روشنی ہی روشنی پہرہ دے رہی ہو اور کسی کو اندھیرے سے شکایت نہ ہو۔ نہ روشنی کسی ایک کی ملکیت میں طوائف کی طرح کسمسا رہی ہو۔ نہ اس پر کسی کی اجارہ داری ہو کہ دولت کی طرح وہی اپنے استعمال میں لائے۔ اور لاکھوں آدمی منہ دیکھتے رہیں۔ اس بلیک مارکیٹ اور جنگی کنٹرول کے تعفن دور کی طرح کہ بنگال میں قحط کا طاعون ہزاروں آدمیوں کی رگ رگ میں بس چکا ہو اور دوسرے علاقے والے چین کی بانسری بجائیں دن رات لہو و لعب میں مبتلا رہیں۔ شراب پئیں طوائف نوازی کریں اور تاج محل ہوٹل میں رات کے دو بجے پنجاب کی ایک دوشیزہ کو ہزاروں روپیہ دے کر عریاں حالت میں نچوائیں اور اس کی عریانی سے جذبات کی تخ بستہ چوٹی کو پگھلا کر گندی نالیوں میں بہا دیں۔ لیکن ان لوگوں کی خبر نہیں جو میری طرح بھوک کے اندھیرے میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور اپنی منور زندگی بھیانک اندھیرا [illegible] پر نچھاور کر رہے ہیں۔

آہ! بنگال کا وہ قحط بھی کس قدر بھیانک اندھیرا [illegible]

ہوشربا تھا۔ جس طرف نگاہیں اُٹھتی تھیں لاشیں ہی لاشیں پٹی پڑی تھیں۔ زندہ بھی، مردہ بھی۔ جیسے دیکھئے اندھیرے کے غلاف میں لپٹا ہوا شکایت کر رہا ہے۔ سرمایہ داروں سے۔ حکومت سے۔ یا خود اپنے وجود سے؟

میں کئی دن سے مسلسل بھوکا ہوں۔ مجھے کہیں کھانے کو نہیں ملتا۔ میرا پیٹ انتڑیوں سے چپا لگا ہے۔ خالی پیٹ کو کب تک پانی پی پی کر دھوکا دیتا رہوں گا۔ آنتوں کی نالکیاں حقّے کی طرح کب تک بڑبڑاتی رہینگی۔ مجھے تو ان پہ بہت رحم آتا ہے بھوک سے میں ہفتوں تلملا سکتا ہوں۔ رو سکتا ہوں چیخ سکتا ہوں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میری معصوم آنتیں آپس میں ٹکرائیں۔ جیسے بجلی کوند رہی ہو بادل گرج رہا ہو ہوائیں چیخ رہی ہوں۔ ایسے جینے سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

ماں...... ماں مجھے بھوک لگی ہے کچھ کھانے کو دو آج کوڑے کرکٹ میں کچھ نہیں ملا۔ وہاں بھی مجھے بھوکا ہی رہنا پڑا۔ اگرچہ ایک جگہ تھوڑے سے چاول کھانے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ چند کالے کلوٹے آدمیوں اور سیاہ فام کتوں نے مجھ سے چھین لیا اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے نہ خود کھایا نہ مجھے کھانے دیا۔ ماں کتنے ذلیل ہیں یہ لوگ۔

ابا جان...... دیکھو انتڑیاں کیسی لڑائی کر رہی ہیں مانو روس و جرمنی لڑ رہے ہیں۔ میرا پیٹ بڑی طرح قلابازی کھا رہا ہے۔ میرے ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ میری صورت مردوں سے بدتر ہے۔ شاید جان نکلنے کے قریب ہے۔ تمام اعضا میں اینٹھن ہو رہی ہے۔ میرے اچھے ابا مجھے بچاؤ۔ مجھے کچھ کھانے کو دو۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔

ششش۔ ششش! کہاں جا رہی ہو۔ اس طرف بہت خوفناک اندھیرا راہ دیکھ رہا ہے۔ وہاں جاؤگی تو کبھی واپس نہ آؤگی۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں روشنی دوں گا۔ بہت سی روشنی جس سے تم اتنی روشن ہو جاؤگی کہ اس طرح کے اندھیرے میں منہ کے بل نہ گروگی مان جاؤ۔ ضد نہ کرو۔ اب بھی سویرا ہے۔

چھوڑ ظالم، مجھے اس روشنی کی ضرورت نہیں جو مجھ سے تمام چمکیلی چیزیں بھی چھین لے۔ میں اندھیرے میں ہی ڈھونگی مجھے اندھیرا بہت پسند ہے۔ پرے ہٹ ....

لڑکی ضدی نہ بن۔ اب بھی مان جا۔ کہاں بھاگ رہی ہے اچھا...... یہ گھمنڈ دیکھتا ہوں تو کہاں بچ کر جاتی ہے۔ چیخیں، فریادیں، آہیں، آنسو، بے شرمی، بے آبروئی،

بے ایمانی، دغابازی، مکاری، جعل سازی، یہ سب اندھیرے ہی کی مخلوق ہیں۔ اندھیرا ان پہ راج کرتا ہے۔ اور یہ سب پہ حکومت کر رہے ہیں۔ ہم راعی ہیں۔ غلام ہیں کچھ بولنے کا حق نہیں۔ بس بے چون و چرا عمل کرتے رہیں۔ نہ کریں تو زندہ رہنا مشکل ہے۔ شاید اسی لئے چپ چاپ اندھیرے کے منہ میں چلے جا رہے ہیں اور بھول کر بھی اپنی راہ تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

میں بنگال سے مالیگاؤں تک دیکھ چکا ہوں اس کی حکومت سے ایک شخص بھی سرتابی کی جرأت نہیں کرتا۔ سب اسی کے اشارے پہ چل رہے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے نچواتا ہے کانٹوں پہ بھی۔ پھولوں پہ بھی۔ اندھیرے میں بھی۔ اجالے میں بھی سب ناچ رہے ہیں۔ ناچے جا رہے ہیں۔ مسلسل متواتر مخبوط الحواس ہو کر۔ مجنوں ہو کر۔ دیوانہ ہو کر۔ حالانکہ گلی گلی میں مار کھا رہے ہیں۔ لہولہان ہو رہے ہیں۔ خون بہا رہے ہیں۔ تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں۔ ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ لیکن اندھیرے سے بغاوت نہیں کرتے۔ اجالوں کو پیار نہیں کرتے۔ سفید پوش ہو کر بھی تاریکیوں کی راہ میں آنکھیں بچھا رہے ہیں۔ روشنی دور بھاگ رہی ہے اور یہ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کچھ اس پر غور نہیں کرتے۔ احساس سے کورے ہو چکے ہیں۔ اور بزدلی بن کر رہ گئے ہیں...... یہ راہ گیر اپنی غلامانہ ذہنیت اور مذموم اکڑ فوں میں میرے پھیلے ہوئے لرزتے ہاتھ اور ملتجی نگاہوں کو دیکھ کر پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیتے ہیں اور خالی کیسے میرے منہ پر مار دیتے ہیں۔ گویا اندھیرا بڑھتے بڑھتے ان کی جیبوں تک پہنچ گیا ہے۔ ان کی تجوریاں تو خیر چٹ ہو ہی چکی ہیں۔ اب ان کی ذہنی رگوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ اچھا ہے جب تک ان کا سارا جسم اندھیرے میں تحلیل نہ ہو جائے یہ ہوش میں آنے والے نہیں۔ ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ بدل نہیں سکتے۔ حالانکہ تبدیلی کی بہت ضرورت ہے بغیر اس کے کام بننے والا نہیں۔ اور یہ اندھیرے کے غلام اپنی فطرت سے باز نہیں آ سکتے۔ بڑے بے حس۔ بہت بزدل۔ بے انتہا سادہ لوح۔ اور انتہائی نامعقول ہیں۔ یہ راہگیر ہیں۔ یہ راستہ چلنے والے جو مجھے بے پناہ سردی میں ٹھٹھرتا دیکھ کر بھی اونی شالوں میں لپٹے لپٹائے اندھیرے کے تال پر رقص کر رہے ہیں جھوم رہے ہیں۔ بل کھا رہے ہیں اور اندھیرا ہے کہ انھیں بری طرح اپنی آغوش میں دبوچے ہوئے چلا جا رہا ہے — اُف اندھیرا۔

مگر قوم پرست نہایت دُور اندیش ثابت ہوئے۔ اور وہ اس منتشر طاقت کو دوبارہ مجتمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب اس طرح کام نہ بنا تو ولندیزیوں نے عارضی صلح نامے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جولائی ۱۹۴۷ء میں قوم پرستوں پر یکایک ہلہ بول دیا۔ اور دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے امن و امان قایم کرنے کا نعرہ بلند کیا۔ برطانیہ اور امریکہ نے اس فرضی امن و امان کے نعرے کی تعریف کی۔ اور ولندیزیوں کی کاروائیوں کو بہ نظرِ استحسان دیکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ولندیزی ذرائع آمد و رفت کے اہم ناکوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور چند زرخیز علاقے بھی زیر تصرف لائے۔ اسکے بعد اُنھوں نے دو مقاصد مدنظر رکھے۔ ایک یہ کہ قوم پرست فوجوں کا یا تو استیصال کلی کیا جائے یا اُن کو اس قدر نکما بنا دیا جائے کہ وہ غیر ملکی طاقت سے لگا نہ کھا سکیں۔ دوسرے خود ساختہ اور کٹھ پتلی حاکموں کو جو انہی کی پیداوار تھی قوم پرستوں کے معیار پر لایا جائے۔ اور پھر ان سب کو ملا کر اپنے زیر سایہ ایک فیڈریشن تیار کی جائے۔ اس طرح اول تو من مانی کاروائیوں کو پورا کیا جاسکے دوسرے ایشیائی ممالک کو دھوکہ دیا جاسکے۔

لیکن ولندیزیوں کی جارحانہ کاروائی پوشیدہ نہ رہ سکی اور حریت پرور ممالک کے علاوہ ایشیائی طاقتوں نے بھی صدائے احتجاج بلند کی۔ مجبوراً انجمن اقوام متحدہ کو اپنی "نمایندگی عالم" کے نعرے کی لاج رکھنی پڑی۔ اور جنگ بند کرنے کے احکامات صادر ہوئے۔ ساتھ ہی ایک خیر خواہ مشن (GOODWILL MISSION) انڈونیشیا روانہ کر دیا گیا لیکن اس مشن کے تمام تر ممبر سامراجیوں کے پروردہ ایجنٹ تھے۔ اور اُنھوں نے اپنے آقاؤں کا نمک حلال کرتے ہوئے ۱۹۴۸ء میں ایک معاہدہ یعنی رینوائل اگریمنٹ (Renville Agreement) مرتب کیا اور فریقین کی رضامندی کے دستخط حاصل کئے۔ اگرچہ قوم پرستوں کی یہ غلطی تھی۔ مگر اس کے سوا اُن کے لئے چارہ کار ہی کیا تھا اس وقت ولندیزی فوجی طاقت امریکہ اور برطانیہ کے طفیل زبردست وسیع ہو چکی تھی اور قوم پرستوں کی قوت مدافعت روبہ انحطاط تھی۔ اس معاہدہ کی رُو سے چند مراعات کے علاوہ قوم پرستوں کو ولندیزیوں کی فوقیت تسلیم کرنی پڑی۔ بغرضیکہ یہ معاہدہ سامراجیوں کے حسب منشاء عمل میں آیا۔

اس میں شک نہیں کہ نیک نیت مدبرین نے یہ رائے ظاہر کی کہ اب یہ مسئلہ جلد ہی حل ہو جائے گا۔ اور ایک غیر معین عرصہ کے لئے یہ معاملہ تقریباً فراموش ہو چکا سنہ ۱۹۴۸ء کے اختتام پر حالات نے اچانک پلٹا کھایا۔ اور اگست ۱۹۴۷ء کے واقعات کو دہراتے ہوئے ولندیزیوں نے بے خبری میں قوم پرستوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ساری دُنیا متحیر ہوئی۔ ولندیزی اس حملہ کو فیصلہ کن بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور قوم پرستوں کی بیخ کنی کے لئے ہر جایز و ناجایز حربہ استعمال کرنے پر تیار ہوئے کیونکہ چین کی مخدوش صورت حالات کے پیش نظر مغربی طاقتوں کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اختتام چین سے پہلے ہی مشرق بعید کی نو آبادیات کو مقابلہ کے لئے تیار رکھیں مسئلہ انڈونیشیا ایسے ساتھ جہاں تک ولندیزیوں کا تعلق ہے۔ وہ دوبارہ اسے غلام بنانا چاہتے ہیں اور ایسا کرنے کیلئے اُنھیں سامراجی طاقتیں مدد دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ مگر قوم پرستوں کیلئے یہ مسئلہ اُلجھا ہوا ہے۔ اُنھیں سب سے پہلے وہ ذرائع تلاش کرنے ہونگے جن سے وہ ولندیزیوں کو بھگا سکیں اور اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہوگئے تو پھر اُنھیں ایک ایسے ملک کو سنبھالنا ہوگا جو اتحادی اور محوری پہلوانوں کا اکھاڑہ ہونیکی وجہ سے اقتصادی طور پر بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ اُنہیں ملک امن و امان بحال کرنے کیلئے درون خانہ بہت ساری جماعتوں سے نپٹنا ہوگا۔ اُنھیں تجارت از سر نو قائم کرنی ہوگی۔ اُنھیں کافی سرمایہ کی ضرورت ہے جس کا دستیاب ہونا بظاہر ناممکن ہے۔ مغربی طاقتیں تو قوم پرستوں کی سرے سے ہی مخالف ہیں۔ روس اول تو اقتصادی بحالی کیلئے دوسرے ممالک کو قرضہ دیتا ہی نہیں اور پھر وہ اُن سے مانگ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ اس طرح اُنھیں بالشویک حلقہ اقتدار میں آنا پڑیگا۔ اور قوم پرست روسیوں کو ایک آنکھ سے بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ کیمونسٹوں کے اتنے ہی دشمن ہیں جتنے سامراجیوں کے۔

چند ماہ گذرے جب وزیر اعظم ہندوستان نے ایک بیان کے دوران میں کہا تھا "ایشیا نے غلامی کا جوا اُتار پھینکا ہے۔ اب ہمیں کوئی بھی طاقت غلام نہیں بنا سکتی"۔ مگر نام نہاد ولندیزی "پولیس ایکشن" نے اُس پر حقیقت واضح کی۔ لازمی طور پر اُسے اپنے مظلوم ہمسایہ کی امداد کیلئے ایشیائی ممالک کی کانفرنس بلانی پڑی۔ مگر چہ یہ کانفرنس معتدل پالیسی پر مبنی تھی۔ لیکن اس حرکت سے سامراجی سمجھ گئے ہیں کہ دُنیا میں ایک قومی بلاک تیار ہو رہا ہے۔ بہر حال مشرق بعید میں سامراجیت اور کمیونزم کی کشمکش جاری ہے کون جانتا ہے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

بے مثال قربانی

از جناب غلام محمد پرے منظور

کشمیر کی یہ حسین وادی مناظرِ قدرت سے بھرپور اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس کی تاریخ نہایت درخشندہ روایات کی حامل رہی ہے، لیکن یہ بات کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ یہ جنت سی وادی کسی روز لڑائی کی آماجگاہ بن جائیگی۔ اور مناظرِ قدرت پر سراسیمگی چھا جائیگی۔ آج سے ڈیڑھ سال قبل سرینگر سے چونتیس میل دور بارہ مولہ کے قریب ایک دیہاتی دوشیزہ پاس والے جنگل میں روزانہ بھیڑ بکریاں چرایا کرتی، دن بھر حسین آبشاروں سے کھیلا کرتی، گاؤں کے تمام لوگ اُسے "شیلا" کہہ کر پکارتے تھے۔ اور اُسے جنگل کی حسین ملکہ سمجھتے تھے۔

حسبِ معمول ایک دن شیلا ترنم میں گنگنا رہی تھی کہ اُس کے کانوں میں ایک دہشت ناک آواز سنائی دی۔ اُس نے اپنی دلکش نظروں کو اٹھا کر دیکھا تو وہ گھبرا اُٹھی

اُس نے کل رات ایک سپنا دیکھا تھا کہ گاؤں اور جنگل نذرِ آتش ہو گیا ہے۔ اور آج اس کو یہ سپنا حقیقت کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ شیلا کی تشویش میں اُس وقت بے حد اضافہ ہوا جب کہ اُس نے گولیوں کی آواز بھی سُنی۔ وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں گاؤں کی طرف بھاگی۔ اور کیا دیکھتی ہے کہ لوگ دہشت زدہ ہو کر جنگلوں کی پناہ لے رہے ہیں۔ اور ہر طرف خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اتنے میں رشید، شیلا کی طرف دوڑتے ہوئے آیا۔ "کیا ہوا رشید، کیا ماجرا ہے" شیلا نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔ "شیلا بہن ہم لُٹ گئے" رشید نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "ہم بے خانماں ہو گئے۔ بیرونی حملہ آوروں نے جو کہ قبائلی درندوں پر مشتمل ہیں ہمارے گاؤں پر وحشیانہ حملہ کر دیا ہے"۔ رشید بہت کچھ بولنا چاہتا تھا مگر زبان رُک جاتی تھی "رشید بھائی" شیلا نے پریشانی اور اضطراب کے عالم میں پوچھا "اب کیا ہوگا" "عبادت گاہوں کی بے حُرمتی۔ عورتوں کی عصمت دری۔ اور مال و جائیداد کی غارت گری" رشید نے گھبرا کر جواب دیا۔ "کیا کہتے ہو بھائی رشید؟" شیلا نے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "سچ کہہ رہا ہوں شیلا بہن ہمارے کئی ایک رہنمایانِ قوم جن میں مجاہد شیروانی بھی شامل ہیں ان حملہ آوروں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں"۔ ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ جنگل کے ایک کونے سے قومی رضاکاروں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی کاندھوں پر بندوقیں اُٹھائے ہوئے وہ بڑھتے ہی چلے آ رہے تھے۔ جونہی یہ جماعت آگے پہنچی تو رشید چلا اٹھا "ہماری قومی فوج ہمارے محبوب شیرِ کشمیر کی بنائی ہوئی فوج شیلا بہن اب ہم محفوظ ہیں۔ اب ہم دشمن سے انتقام لے کر ہی رہیں گے۔ اتنے میں فوج ایک جگہ پر رُک گئی شیلا اور رشید ان کے پاس چلے گئے اور اپنے آپ کو بھی وطن کی حفاظت کرنے کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ انھوں نے بھی کاندھوں پر بندوقیں اٹھائیں اور دشمن سے انتقام لینے کے لئے چلے گئے۔ اچانک یہ فوجی دستہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں حملہ آور لوٹ کھسوٹ میں مصروف تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی دستہ آگے بڑھا اور دشمن پر حملہ بول دیا۔ ایک خون ریز لڑائی ہوئی۔ جس میں دشمن کا کافی نقصان ہوا۔ دشمن بھاگنے کو تیار تھا کہ بدقسمتی سے ایک گولی رشید کے سینے سے پار ہو گئی وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ اُس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کچھ شیلا کے حوالہ کیا۔ "شیلا بہن اس کو سنبھال کر رکھنا یہ تیری حفاظت کرے گا" رشید نے دم توڑتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔ واپس بھاگتے ہوئے حملہ آور شیلا کو قیدی بنا کر ساتھ لے گئے۔ شام کے وقت اُس کو حملہ آوروں کے سردار کے آگے پیش کیا گیا۔ "او کشمیری چھوکری ہم تمہارے ساتھ شادی کرے گا" حملہ آوروں کے سردار نے جنسی خواہشات سے مغلوب ہو کر شیلا سے کہا۔ "او ظالم درندے اور وحشی۔ ہم کشمیر کی غیور اور خودار عورتیں اپنی عزت و آبرو کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتی ہیں اور اِسی طرح سے اپنے مادرِ وطن کی لاج رکھ دیتی ہیں"۔ سردار یہ سُن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور جذبات سے بے قابو ہو کر آگے بڑھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُس کے پاس پہنچتا ...... شیلا کو رشید کے وہ الفاظ یاد آگئے جو کہ اُس نے مرتے وقت کہے تھے۔ "شیلا بہن اس کو سنبھال کر رکھنا۔ وقت ضرورت تیری حفاظت کرے گا۔ یک دم اس نے وہ چیز جیب سے نکال کر پھانک لی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا

"نوِ بہارُک پیغام" — از سریدر ریٖسہ زآر مدیرؔ "خدمت"

حضرتِ زآر کی ہستی کشمیری زبان بولنے والوں میں عموماً اور کشمیری ادب کے شیدائیوں میں خصوصاً کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ شاعرِ انقلاب عبدالاحد آزاد مرحوم آپکے خاص مداح تھے۔ اور آپ کے کلام کا خاص ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ حضرتِ زآر کے کلام میں انوکھا رنگِ سخن کارفرما ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ زآر صاحب نے ہمیں اپنی یہ نظم عنایت فرما کر وہ کرم فرمائی کی ہے جس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

(مدیر)

۱۔ ہتھوی پتھہ ہت منانن۔ پھلےلج باغ و بستانن
وَنن نارن کوہستانن۔ بتھن بیرن تہ میدانن
گُلن بُلبُل کرنہٖ لگ کراوٗ۔ بہارٕ عیش و خوشی ہت آو

ترجمہ:- ۱۔ ہر شے کو مرجھانے والے جاڑے کے خاتمہ پر باغ و بستان کوہ و صحرا میں بہار آئی۔ بلبل و غور طرب سے نوشگفتہ پھولوں سے کہہ رہی ہے۔ کہ بہار عیش و خوشی کا پیغام لے کر آئی۔

۲۔ گلابن غازہ یامت مل۔ حسینن رنگِ روہت چل
خوشی سیت ٹوٗر پرتھہ کانھہ پھل۔ ہنیر زل پیچ شہوت سَر ہل
وُلِس بموٗرن للہ رُخ ہاوٗ۔ بہارٕ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۲۔ گلاب کے پھول نے رخساروں پر غازہ مل کر حسینوں کے چہروں کی گلگاری کو پھیکا کر دیا۔ جس سے ہر ایک کلی کھل کھلا کر ہنس پڑی نرگس دلاویز ادا سے سر جھکا کر کسی کی یاد میں مشغول ہوئی۔ عین اسی وقت

۳۔ حسینن ہندہ حسنک نوٗر۔ کرنہٖ لگ صبر و تابس سور
سُوایمانک تہ دینک چوٗر۔ تھزر سینک کتاک کنہ دوٗر
زُلفہ تلہ شملہ مالال دراوٗ۔ بہارٕ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۳۔ حسینوں کے حسن کی شعلہ فشانیاں خرمنِ سکون کو خاکستر بنانے لگیں۔ متاعِ دین و ایمان کا رہزن چھاتیوں کا ابھار اور گیسوؤں کے نیچے کان کی بندوں کی تابناکیاں کہہ رہی ہیں۔ مذکورہ

۴۔ وچھو دولتمندن ہنز شان۔ ضیافژ اکِس اکھ یاوان
گراخنج پھلے چھاوان۔ گراچھی ہیے چوان چاوان
وتان داماچہ ہ داماچاوٗ۔ بہارٕ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۴۔ دولتمندوں کی شان دیکھئے۔ کہیں ضیافتیں اڑائی جاتی ہیں کہیں حسن عریاں کے حضور جام پر جام اڑا کر کہہ رہے ہیں۔ کہ پیو اور پلاؤ۔ کیونکہ بہار عیش و خوشی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

۵۔ بہارا بُلبُلا نغماہ۔ نظارا خوش ہوا پھلیاہ
بلاشک پرتھہ اکس خوشیا۔ مگر یمس غریب ہیس کیاہ
وینا یس گرِہ نہ کونہ کوٗی تاوٗ۔ بہارِ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۵۔ بہار کی دلاویزیاں۔ بلبلوں کے کیف آفریں نغمے۔ بہشتی مناظر۔ معطر نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے اور گلوں کا نکھار بلاشک روح افزا ہے۔ لیکن ایک غریب کو اس سے کیا ہے جسکے گھر میں بجز نام اللہ کچھ نہ ہو۔

۶۔ شونگت آیس صاحب دولت۔ شرابا چت حسینا ہت
تمی وزہ گردس بدقسمت۔ وتھتھہ دراو واندالبان ہت
وینا یُس فاقہ پھرہ گھر دراوٗ۔ بہارِ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۶۔ صاحبِ دولت جام پر جام چڑھا کر کسی حسینہ کو پہلو میں لیتے ہوئے لہو و لعب میں مشغول تھا۔ اسی وقت بدقسمت کسان ہل اور بیل لیکر ہوا اور پیاسا کھیت پر پوچھا کیا وہ بھی کہہ سکتا ہے۔ مذکورہ

۷۔ قہر جہنم بستہ بایت۔ عذابک غم بستہ بایت
بہشتک بھرم بستہ بایت۔ گرن سر خم بستہ بایت
تسنزہ نزوہ مایہ آلو دراوٗ۔ بہارِ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۷۔ جس کیلئے قہر اور دوزخ کا خوف اور بہشت کا حرص پیدا کیا گیا ہو اور جس کیلئے ہر ایک کے آگے سر خم کرنا ضروری قرار دیا گیا ہو کیا وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بہار عیش و خوشی کا پیغام لے کر آئی ہے۔

۸۔ ستم کش گردس کمہ ناوان۔ کماوت پرتھہ اکس کھیاوان
مگر تس یم حریص انسان۔ ہوان چھس فاقہ وی دی جان
وتیا سو نتی ہرد یس چاوٗ۔ بہارِ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۸۔ ستم کش کسان کما کر ہر ایک کو کھلاتا ہے۔ لیکن حریص انسان فاقوں سے اسی کی جان لینے کے درپے ہے۔ جس کے لئے آغازِ بہار میں خزاں ہو۔ کیا وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بہار عیش و خوشی کا پیغام لیکر آئی ہے۔

۹۔ خدائی زآرہ بڈ حیرت۔ کُنہ فرماں۔ عمل شرکت،
چوان بندی چھہ بندن رتھ۔ پوان چھنہ رحمتس غیرت
سو کیا ونہ یس نہ ارماں دراوٗ۔ بہارِ عیش و خوشی ہت آوٗ

ترجمہ:- ۹۔ اے زآر خدائی حیرت کا تجربہ پایا ہے۔ فرمان تو وحدت کا ہے۔ لیکن دور دورہ شرکت کا ہے بندے بندوں کا خون چوستے ہیں۔ پھر بھی رحمت حرکت میں نہیں آتی۔ جسکے ارماں دل میں ہی دفن ہو جائیں کیا وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بہار عیش و خوشی کا پیغام لے کر آئی ہے۔

[illegible]

رفتارِ زمانہ

اس ہفتے اقوامِ متحدہ کے کشمیر کمیشن نے ایڈمیرل چسٹر نمٹز کو جوکہ امریکی بحری بیڑے کے ایک امیر البحر ہیں۔ کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے ناظم مقرر کیا۔ یوں تو سطحی طور دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کشمیر میں اب جلد ہی رائے شماری ہونے والی ہے۔ لیکن اگر بہ نظرِ غایر دیکھا جائے تو حالات دگرگوں نظر آتے ہیں کیونکہ حکومتِ ہند نے رائے شماری کرانے کے لئے جو اولین شرائط مقرر کی ہیں اور جن کو کمیشن نے بھی تسلیم کیا ہے ان کے متعلق ابھی حکومتِ ہند اور پاکستان کے درمیان کوئی بھی سمجھوتہ نہیں ہوا ہے بلکہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ ابھی پس پردہ برابر لے دے ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات کی موجودگی میں ناظم رائے شماری کا تقرر کیا جانا بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ عوام کے دل و دماغ پر جمود طاری کیا جائے۔ اور دنیا کو یہ دکھایا جائے کہ کشمیر کمیشن کوئی کام کر رہا ہے اور بے کار نہیں بیٹھا ہے۔ ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ کشمیر میں اسی صورت میں رائے شماری ہو سکتی ہے جبکہ یہاں قبل از جنگ کے جیسے حالات پیدا ہوں۔ جس کیلئے کافی سے زیادہ وقت درکار ہے۔ اور جیسا کہ قائد اعظم حضرت شیر کشمیر بھی بار بار اعلان کرتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ صوبہ سرحد کے خان عبدالغفار خان اور ان کے سرخ پوش ساتھیوں نے برطانوی سامراج کے خلاف لڑنے میں نمایاں اور قابلِ قدر حصہ لیا ہے۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد انہیں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ٹھونسا گیا ہے۔ ان کا قصور تو اب صرف اتنا ہی ہے کہ یہ نہیں چاہتے ہیں کہ کوئی حکومت پٹھانوں کے حقِ خود ارادیت کو تلف کرے اور خاص ان ہی وجوہات کی بنا پر خان موصوف اور ان کے ساتھیوں پر تمدن سوز مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ ابھی تک تو حکومتِ ہند محض اس امر کے مدِ نظر کہ دونوں مملکتوں کے باہمی تعلقات مزید کشیدہ نہ ہو جائیں اس بارہ میں بالکل خاموش رہی لیکن پچھلے دنوں جبکہ وزیرِ اعظم سرحد قیوم خان نے قتل کی سازش کی آڑ میں سرخ پوشوں پر حتی الامکان تک مظالم توڑنے شروع کئے اور ساتھ ہی حکومتِ ہند پر بھی چند ناجائز حملے کئے تو پنڈت نہرو کو پروٹسٹ کرنا ہی پڑا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑا۔ "حکومتِ ہند اور ہندوستان کے لوگ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہم ان بہادر اور قابل ترین سپاہیوں کی قسمت سے گہری دلچسپی نہ لیں۔"

پچھلے دنوں واشنگٹن اور لندن سے بیک وقت اٹلانٹک پیکٹ کا مسودہ شایع ہوا ہے اور اس امر کا بھی بعد میں اعلان ہوا ہے کہ ۴ اپریل کو واشنگٹن میں اس پیکٹ پر دستخط ہو جائیں گے۔ ۴ اپریل تک کے درمیانی وقفہ تک میں اٹلانٹک پیکٹ میں شامل ہونے والے ممالک اپنی اپنی اسمبلیوں میں اس پیکٹ پر بحث کریں گے۔

اگرچہ اینگلو امریکن بلاک بار بار اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ یہ پیکٹ روس کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن ایسا صرف مصلحتاً کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ پیکٹ کمیونزم کے خلاف ایک مضبوط محاذ قایم کرنے کے مدِنظر منظور کیا گیا ہے۔ یہ بلا وجہ نہیں کہ اس وقت دنیا بھر کے کمیونسٹ عموماً اور روس خصوصاً اس سے سخت برانگیختہ ہو گیا ہے۔

پچھلے دنوں کابل ریڈیو نے پٹھانستان کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ پاکستان نے پٹھانستان کے متعلق ایماندارانہ رویہ اختیار نہیں کیا ہے۔ ایک طرف یہ مملکت فقیر ایپی کے وفد کے ساتھ تعلقات خوشگوار کرنے کے بارہ میں بات چیت کرتی ہے۔ تو دوسری طرف سے پاکستان کے ہوائی جہاز سرحد کے قبائلیوں پر زبردست بمباری کرتے ہیں۔ کابل ریڈیو نے حکومتِ پاکستان کو متنبہ بھی کیا ہے کہ "اگر حکومتِ پاکستان پٹھانوں کے خلاف مزید کوئی کارروائی کرے گی تو پھر حکومتِ افغانستان خاموش نہیں رہ سکتی۔" کابل ریڈیو کے ان انکشافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومتِ پاکستان کے لئے اب زبردست مشکلات پیدا ہونے والی ہیں اور ان کے لئے اب آزاد پٹھانستان کی تحریک کا مقابلہ کرنا پہلے سے بھی ناممکن بن جائے گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر پڑھیں)

نغمہ

از: حضرتِ وفا فرخ آبادی

ہلکی ہلکی سرد ہوا میں — کالی کالی مست گھٹا میں
"چاند" کی وجد آموز ضیا میں — رات کی اس خاموش فضا میں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

بجلی کی ہر لہر کے ساتھ — بادل کے ہر قہقہے کے ساتھ
یعنی سازِ دہر کے ساتھ — ہوش ربا، سرمست ادائیں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

روح کو تڑپا تڑپا کر — [illegible]
"عالم نغمہ" پر چھا کر — کیف اثر، پُر جوش صدائیں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

ساز وہ چھیڑا جاتا ہے — عالم کھویا جاتا ہے
"نغمہ" ڈوبا جاتا ہے — درد بھری، دلسوز نوا میں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

ہوش بہ رنگِ مستی ہے — کھوئی ہوئی سی ہستی ہے
سونی دل کی بستی ہے — سحر اثر انداز و ادا میں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

نظریں آج پریشاں ہیں — روحیں وجد بداماں ہیں
حسن کی موجیں رقصاں ہیں — شعبدۂ اعجاز نما میں
کون ترنم ریز ہوا
کون ترنم ریز ہوا — عالم حشر انگیز ہوا

پُر معنی طنز:-

"اپنے ڈھیلے پن پر"

جگن ناتھ خیبری نشتر کاشمیری

ابھی جب کہ ہم آزاد ہونے پر شروع شروع کی ہی انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھا کرتے ہیں — "ڈھیلے کیوں پڑے ہو؟" — پوچھنے والوں کو اگر بنایا جائے — "کچھ تو ہے جبکی پردہ داری ہے"۔ تو وہ اس جواب سے مطمئن نہ ہو کر سوالات کی بوچھاڑ یوں شروع کر دیتے ہیں — کچھ کھاتے پیتے نہیں؟ چھٹانگ بھر گھی تو کھایا کرو۔ کیا زندگی عیش و نشاط کا نام نہیں؟ اور آگے چل کر...... کیا کوئی فکر تو لاحق نہیں؟" ہزار بچھو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں یا کم از کم جی ضرور متلانے لگتا ہے۔ کیا ایسا پوچھنے والا کوڑھ مغز تو نہیں؟ آخر انہیں اس قسم کی مزاج پرسی کرنے اور ہمیں تذبذب میں ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا ان حضرات کو یہ علم نہیں کہ اب تو ہم ایک عرصہ سے "آئینہ" دیکھتے بھی نہیں؟ خیر! یہ "ہنگامی" صورتِ حال ایک عرصے سے جاری ہے۔ "ڈھیلے کیوں پڑے ہو؟" اس پرسشِ احوال کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اب تو ہم کبھی کبھار "دولتکدہ" میں رہے سہے آئینے کو اپنی خدمت میں حاضر کر کے پوچھا کرتے ہیں — "ڈھیلے کیوں پڑے ہو؟" — اور کبھا اوقات ایسا جان پڑتا ہے کہ اب تو آنکھیں بھی اندر ہی اندر دھنتی جا کر ایک ترینچ یا خندق کی ترجمان بن رہی ہیں اور گال بھی "پت جھڑ" کی طرح پچکتے جا رہے ہیں۔ اور جب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی "شکستہ حالی" کا ہو بہو قلم "آئینے" میں دیکھتے ہیں تو غصہ "کسی" پر آتا ہے اور "دید" کی بلا! "بکر" کے سر ٹھونس کر اس رہے سہے آئینے کو شکستن گردان" کی تفسیر بنا لیتے ہیں۔ اتنے میں نظر اپنے بازوؤں پر پڑتی ہے — "آہ! یہ تو آج کاٹھ کی ہی معلوم ہوتی ہیں"۔ تب تو اپنے گھٹنوں میں سر ٹیکے میں سوچا کرتا ہوں — "یہ ڈھیلا پن کیوں؟ یہ پھیکا پن اور بے نمکی کیسی؟ میں پورے وشواس کے ساتھ کہہ دیتا ہوں کہ اس ڈھیلے پن کی وجہ قبائیلی نما پاکستانی حملہ بھی نہیں، اس ڈھیلے پن کی یہ بھی وجہ نہیں کہ "اپنے عوامی راج" میں، میں سکریٹری یا انڈر سکریٹری نہیں بنا، مجھے بھلے ہی یاد ہے ؎

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

اور خدانہ کرے، جو میں سکریٹری ہی بنا ہوتا تو "کارِ نجار بدستِ گلکار" کی رہی سہی کسر پوری کر لیتا اگرچہ میں یہ ضرور مانتا ہوں کہ سکریٹری کی تنخواہ، میری "شاندار تنخواہ" سے صرف دس گنا زیادہ ہے۔ لیکن اسی ایک وجہ کی آڑ میں، میں ڈھیلا کیوں پڑنے لگوں؟ کیا میں بھول گیا ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ٹھہرئیے! گھبرائیے نہیں، آپ بھی تو کبھی ڈھیلے پڑے ہی ہونگے۔ چہرہ اترا ہی ہوگا۔ سرد آہیں بھی ضرور بھری ہی ہونگی کبھی تو آپ کی "بیٹر ہاف" Better half نے آپ کا ڈھیلا پن دیکھ کر اپنی "قابلِ قدر چھاتی" بھی پیٹ لی ہوگی۔ پھر بھی کیا ہوا؟ چھاتیاں پیٹنے کے لئے ہی ہوا کرتی ہیں۔ اکتائیے نہیں! میں اپنی سُنا رہا ہوں۔ ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ ہمارے ایک "بڑے آدمی" نے مجھ سے کہا...... "یہ اسٹالین کون ہوتا ہے"؟ اس موجودہ بڑے آدمی کا ایسا معصومانہ سوال سُن کر میں رتی بھر بھی ڈھیلا نہ ہونے پایا۔ ہو سکتا ہے کہ بڑے آدمیوں کو "اسٹالین" جیسا چھوٹا نام یاد بھی نہ ہو۔ یہ سالانہ امتحان تھوڑا ہی ہے۔ کہ جنرل نالج میں "زیڈ ای آر او جیسا "شاندار" نتیجہ حاصل کر لیں۔ دُور جانے کی بات نہیں، دو سال کی بات ہے کہ ہمارے ایک سو فی صدی کشمیری بھائی یورپ سے یہاں واپس آئے، تو پہلے ہی انٹرویو میں فرمایا "ہم کو "کانگڑ" بھول گیا ہے"۔ یہ صحیح ہے کہ ہم اب غیرت مند نہیں رہے نہیں تو ہمارا ہارٹ فیل ہی ہو جاتا۔ کیا کیجئے، اتنی زمانہ الٹی کو سیدھی، اور ہر سیدھی کو الٹی کہا جا رہا ہے اگر ہم کہیں کہ ہمیں "مس اے" سے محبت ہے تو خیر ہے اگر یہ کہیں کہ "لو" LOVE ہے تو جان کی خیر نہیں۔ اگر دو اڑھائی سال کے اندر اندر

بابت فروخت

سرینگر میں ایک ہی جگہ دو مکانات بابت فروخت موجود ہیں۔ مکانات کے ساتھ ہی ایک بڑا مشترکہ صحن ہے — خط و کتابت معرفت بکس نمبر 22 وکیل سرینگر

بابت فروخت

عالی کدل سرینگر میں واقع ایک ڈاکٹری دوکان بابت فروخت موجود ہے۔ دوکان عرصہ ۱۲ سال سے چلتا آیا ہے۔ قیمت واجبی ہے معرفت بکس [illegible] 23 وکیل سرینگر

بابت فروخت

ایک چھوٹا ریڈیو [illegible] قیمت دو سو روپے بابت فروخت موجود ہے۔

خط و کتابت معرفت بکس نمبر 24 وکیل سرینگر

خوش خبری!

ہوٹل کشمیر گیسٹ ہاؤس میں اپنے دوستوں سمیت گرم۔ لذیذ اور مقوی کھانے — اور چائے نوشی فرماویں

ASTROLOGICAL RESEARCH HOME

ایسٹرالوجیکل ریسرچ ہوم کے ذریعے جو اشخاص اپنے جنم پتری، ورش پھل سلسلہ وار ۵۲ ہفتے کیلئے مختلف زبانوں میں بنانا چاہتے ہوں وہ زر اجرت تین روپے (۳) سکریٹری کے نام پر بھیجکر کروا سکتے ہیں — سکریٹری ایسٹرالوجیکل ریسرچ ہوم سرینگر کشمیر

بوتلوں کی ضرورت ہے!

وکیل کی پچھلی اشاعت میں ہمارا ایک اشتہار بوتلوں کی ضرورت ہے شائع ہو چکا ہے۔ جس کے متعلق ہمیں سینکڑوں ڈاکٹر صاحبان کی چٹھیاں موصول ہو چکی ہیں۔ ہم ان تمام ڈاکٹر صاحبان کی واقفیت کے لئے یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں بالکل نئی بوتلوں کی ضرورت ہے۔ اور ہر ایک سائیز کی ہزاروں کی تعداد میں ضرورت ہے۔ اسلئے براہ مہربانی نوٹ فرماویں۔

منیجر

ہلال ہربس ریسرچ کارپوریشن سرینگر کشمیر

We Regret we could not publish other Advertisements in this issue due to the absence of the Blocks detained at Banihal.

To avoid delay in future Advertisers should send blocks through Dalmia Jain Airways.

G. Hassan
Advertising Manager

ضرورت ہے!

صوبہ جات متحدہ امریکہ سے ہمارے نئے موصول شدہ فونٹین پنوں کیلئے ایجنٹوں اور سٹاکسٹوں کی ضرورت ہے۔ نمونہ جات اور شرائط ایجنسی کے لئے لکھیں:-

HOUSE OF COMMERCE, G. B. ROAD. DELHI.

ضرورت ہے!

ایک سیکنڈ ہینڈ موٹر کار کی واجبی قیمت پر ضرورت ہے۔

خط و کتابت

بکس نمبر ۲۵ وکیل سے

فوراً کریں!

ضرورت ہے!

ایک فرم کو ایک سیکنڈ ہینڈ ٹائپ رائیٹر کی ضرورت ہے۔

خط و کتابت:

بکس نمبر ۲۱ وکیل سے کریں!

رفیقۂ حیات کی تلاش

ایک بائیس (۲۲) سالہ نوجوان کیلئے ایک رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے۔ یہ نوجوان ایک سرکردہ روزانہ اخبار کا ایڈیٹر ہے۔ اور اچھی خاصی رقم ماہوار کماتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نوجوان آزاد خیال ہے اور ذات پات کا قائل نہیں ہے۔ مزید کیلئے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

رسالہ وکیل بکس 25 امیرا کدل سرینگر

اخبار وکیل کی سرپرستی کر کے اسکو مزید خدمات کے قابل بنائیں

قوم سے حضرت مولانا مولوی محمد سعید صاحب مسعودی کی اپیل!

اخبار وکیل سری نگر کے دیرینہ اخبارات میں سے ایک ہے اس کے مرحوم مالک اور ایڈیٹر پنڈت شمبو ناتھ جی ایک بیباک جرنلسٹ اور وطن پرست اخبار نویس تھے۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۹ء کو جموں اور سری نگر کے درمیان پرواز کرتے ہوئے جہاز کو جو حادثہ پیش آیا اُس نے مرحوم کو بھی ہم سے چھین لیا اور مرحوم [illegible] "وکیل" کو بھی یتیموں کی فہرست میں شامل کر دیا۔

مجھے اب یہ معلوم [illegible] کے خوشی ہوئی ہے کہ پنڈت شمبو ناتھ مرحوم کے ہونہار فرزند عزیز پوشکر ناتھ جی متعلم بی اے نے اپنے لائق باپ کی یادگار اخبار "وکیل" کو [illegible] زندہ رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے بلکہ فیصلہ کیا ہے کہ "وکیل" کو ایک شاندار اور مصور رسالے کی صورت میں رکھا جائے اور اس کے ذریعہ ملک اور قوم کی وہ خدمات انجام لائی جائیں جو اس کے مرحوم بانی اور مالک کی بہترین تمنائیں تھیں۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ "جو شخص اپنے پیچھے قابل بیٹا چھوڑ جائے وہ زندہ ہے"۔ پوشکر ناتھ کا یہ جرأت مندانہ قدم بتاتا ہے کہ وہ اس مقولے کا مصداق ہے "وکیل" نے قوم کی گذشتہ جد و جہد میں اپنی بساط بھر قابل تعریف خدمات انجام دی ہیں۔ میں عوام سے اپیل کروں گا کہ وہ اسکے نئے دور کی سرپرستی کر کے اس کو مزید خدمات کے قابل بنائیں۔ میری دلی دعا ہے کہ "وکیل" کا نیا دور کامیاب اور اس کا نقش ثانی ثابت ہو جو ہمیشہ نقش اول سے اعلےٰ و ارفع ہوتا ہے۔ (محمد سعید مسعودی)

ناظرین کرام!

رسالہ "وکیل" کے آئندہ شمارہ میں حضرت شہ زور مدظلہ العالی کی ایک شہرہ آفاق نظم — "پری محل"۔ شائع ہو رہی ہے۔ یہ حضرت موصوف کی وہ نظم ہے جس کو متعدد نقادوں نے اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا آپ بیتابی کے ساتھ وکیل کی آئندہ اشاعت کا انتظار کریں۔ خواہشمند اصحاب قبل از وقت بھی کاپیاں ریزرو کرا سکتے ہیں۔

وکیل سے متعلق ضروری اعلانات:—

اظہار معذرت! کاغذ کی مشکلات کی وجہ سے پرچہ دیر سے شائع ہوا، آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اوشکار ناتھ جنرل مینجر۔

— **ہمارا** اب آفس بھگت بلڈنگ بالمقابل خالصہ ہوٹل امیرا کدل واقع ہے جہاں کہ وکیل کے سائن بورڈ وغیرہ باضابطہ لگے ہوئے ہیں۔

اُجرت اشتہارات — وکیل میں اشتہارات شائع کرانے کیلئے مندرجہ ذیل شرح سے رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ایک کالم انچ سے ۱۰۰ کالم انچ تک ڈھائی روپے فی انچ فی اشاعت۔ ۱۰۰ انچ سے اوپر ڈیڑھ روپے فی انچ فی اشاعت

رسالہ وکیل کیلئے ایک لیڈی اسسٹنٹ ایڈیٹر کی ضرورت ہے۔ تنخواہ معقول دی جائے گی۔ درخواستیں اندر تین یوم ایڈیٹر انچیف کے نام آنی چاہئیں۔

عنقریب ہی بتبدیل روزہ ہندی رسالہ وکیل بھی شائع ہوگا۔ اپنی کاپی ریزرو کرائیں۔

ضخامت صفحات قیمت ۲ آنے فی پرچہ [رسالہ وکیل کو فروخت کرنے کیلئے ہر جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔

باجلاس ایم جلال الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی منصف درجہ اول سوپور۔ واقعہ ۲۶ پھاگن ۲۰۰۵

خالق بٹ ولد قادر بٹ سکنہ قصبہ سوپور۔ مدعی

بنام پرکاشرام و پریم ناتھ ولدان دیارام مانتو، عزیز بٹ ولد امر بٹ، سبحان بٹ، محمد سلطان بٹ ولدان غفار بٹ ساکنان قصبہ سوپور، غلام محمد ولد قادر بٹ ساکن امرتسر کٹڑہ شیر سنگھ (مدعا علیہم

دعویٰ دخلیابی

اشتہار بنا بر احضار مدعا علیہم عنوانصدر ہرگاہ عدالت ہذا کو مدعی نے بذریعہ درخواست اطمینان دلایا ہے کہ مدعا علیہم عنوان صدر دیدہ دانستہ تعمیل سمنات سے گریزاں ہیں۔ اور بطریق معمولی تعمیل مدعا علیہم ہونی ناممکن ہے۔ لہٰذا بذریعہ اشتہار ہذا مدعا علیہم عنوانصدر کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اصالتاً وکالتاً یا مختاراً تا حاضر عدالت ہذا بتاریخ ۲۷ چیت ۲۰۰۵ بوقت ۱۱ بجے روز بمقام سوپور آ جاویں بعدم حاضری اُن کے بتاریخ مذکورہ اُنکے خلاف کاروائی یکطرفہ بعمل لائی جائیگی۔ اشتہار ہذا آج بہ ثبت دستخط راقم و مہر عدالت کے اجرا کیا گیا۔ تحریر [illegible]

(دستخط حاکم و مہر عدالت)

پرنٹر پبلشر پوشکر ناتھ کول۔ کمرشل پرنٹنگ پریس سرینگر سے چھپا کر دفتر وکیل سے شائع کیا